OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 www.arjish.com ISSN (PRINT): 2707-1200
DOI: https://doi.org/10.53575/u16.v5.04(21)190-201

اموالِ زکوۃ کی انفرادی اور اجتماعی سرمایہ کاری کا شرعی جائزہ

Sharia Analysis of Individual and Collective investment of Zakat Funds

Dr. Muhammad Mushtaq Ahmed
Assistant Professor, Department of Islamic & Arabic Studies, University of Swat
Email: dr.mmushtaqahmed@gmail.com

Dr. Javed Khan
Assistant Professor, Department of Islamic & Arabic Studies, University of Swat.
Email: javed48442@gmail.com

Qaisar Bilal
Lecturer, Kohat university of Science & Technology Kohat

Received on: 18-10-2021 Accepted on: 20-11-2021

Abstract

Islam has a comprehensive system to minimize the poverty in the society. Zakat is one of the most important pillars of Islamic economic system, in one hand it purify the wealth of the affluent of the society while on the other hand it gives an opportunity to the underprivileged to fulfil his desires. In modern day society, it is suggested that instead of payment of individual zakat, the zakat shall be collected by the government and it should be invested by the government in profitable sharia complaint ventures and only profit of the venture will distributed among the needy people or it should be made permanent source of income for the needy people by establishing a venture or industry from zakat pool. In this paper, zakat, the philosophy of zakat and its conditions among jurist is discussed in detail and the issue of investment of zakat is also examined by collecting views of classical as well as modern jurist. Study shows that zakat may not be allowed to be invested for long term. However sharia compliant saving of surplus amount is acceptable.

Keywords: Zakat, obligatory charity, *tamleek*, investment

تعارفِ زکوۃ:

زکوۃ کا لغوی معنی زیادتی یا پاکی اور طہارت ہے اور شریعتِ اسلامی میں زکوۃ اپنے مال کے مخصوص حصے کا مخصوص لوگوں کو مالک بنانا ہے جیسے امام جرجانیؒ (م:۸۱۶ھ) نے فرمایا ہے:

الزكاة: في اللغة: الزيادة، وفي الشرع: عبارة عن إيجاب طائفة من المال في مال مخصوص لمالكٍ مخصوص.[1]

فقہی اصطلاحات کی مشہور کتاب التعریفات الفقہیہ میں زکوۃ کی جامع تعریف یوں کی گئی ہے:

الزكاة: في اللغة الطهارةُ والزيادة. وفي الشرع: تمليك جزء مال عيَّنه الشارع من مسلم فقير غيرِ هاشمي ولا مولاه بشرط قطع

المنفعة عن المملَّك من كل وجه لِلّٰه تعالى. [2]

"زکوۃ لغت میں طہارت اور اضافے کو کہتے ہیں اور شرعی اصطلاح میں مال کے ایک ایسے حصے کا کسی مسلمان، فقیر جو ہاشمی نہ ہو اور نہ ان کا مولا ہو، کو اس طرح مالک بنانا ہے جس کی ہر قسم کی منفعت مالک سے منقطع ہو جائے۔"

شرائطِ زکوۃ:

زکوۃ کی فرضیت کے لئے فقہائے کرام نے چند شرائط بیان کئے ہیں جن کی وضاحت امام قدوری ؒ(م:۴۲۸ھ) یوں کرتے ہیں:

الزكاة واجبة على الحر المسلم البالغ العاقل إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول وليس على صبي ولا مجنون وال مكاتب زكاة ومن كان عليه دين يحيط فلا زكاة عليه[3]

یعنی زکوۃ آزاد، مسلمان، عاقل، بالغ پر اس وقت فرض ہے جب وہ کامل نصاب کا مالک ہو جائے اور اس پر ایک سال بھی گزر جائے۔ نابالغ بچے ،دیوانے، مکاتب غلام اور ایسے مدیون پر زکوۃ واجب نہیں جس کا قرض اس کے مال سے زیادہ ہو۔

حکمتِ زکوۃ:

زکوۃ کی وجوب کی کئی ایک حکمتیں ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱: زکوۃ دینے کی وجہ سے مال کی عظمت دل سے نکل کر، دل کی پاکی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جس کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا }[4]

۲: زکوۃ کی وجہ سے بخل کی بیماری کا خاتمہ مقصود ہے چنانچہ بندہ اپنی کمائی کو اللہ کے نام پر قربان کرتا ہے، جس کے نتیجے میں اللہ کی قرب کو حاصل کرتا ہے۔

۳: زکوۃ کی فرضیت کی حکمت محتاجوں اور فقیروں کے ساتھ ہمدردی بھی ہے جو انسانیت کا تقاضا ہے۔

۴: اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ایک حکیم ذات ہے اس کی وجہ سے معاشرے میں ایک تعاون اور مدد کی فضا پیدا ہو جاتی ہے آج اگر لینے والے حاجت مند کی مدد ذکوۃ کی وجہ سے کی جائے تو شاید کل دینے والا اس طرح محتاج ہو جائے اور دوسرا اُس کی اسی طرح مدد کر لے۔[5]

نصاب وجوبِ زکوۃ:

قرآن کریم نے زکوۃ کی فرضیت کو نماز کی طرح بیان کیا ہے تاہم اس کی تفصیلی مقدارِ فرضیت یعنی نصاب کو نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ »[6]

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "پانچ اوقیہ سے کم میں زکوۃ واجب نہیں۔"

اسی طرح دوسری احادیث میں ارشاد فرمایا کہ چاندی کے دوسو درہم سے کم میں اور سونے کے بیس مثقال سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:

«لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ عِشْرِينَ مِثْقَالًا ذَهَبًا صَدَقَةٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ عِشْرِينَ مِثْقَالًا فَفِيهَا نِصْفُ مِثْقَالٍ، فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذَلِكَ»[7]

یعنی بیس مثقال سونے سے کم مقدار میں زکوٰۃ واجب نہیں جب مثقال تک پہنچ جائے تو اس میں نصف مثقال واجب ہے اور اس سے زیادہ کا اسی مناسبت سے حساب کیا جائے گا''

اور چاندی کے نصاب کے متعلق یہ ارشاد فرمایا:

«لَا صَدَقَةَ فِي الرِّقَةِ حَتَّى تَبْلُغَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ»[8]

''چاندی میں دوسو درہم سے کم میں زکوٰۃ نہیں''

نصاب کے متعلق یہ بات احادیث کی روشنی میں واضح ہے کہ سونے میں نصابِ زکوٰۃ ۲۰ مثقال یا ۲۰ دینار اور چاندی میں نصابِ زکوٰۃ پانچ اوقیہ یعنی ۲۰۰ درہم ہیں لیکن موجودہ زمانے میں چونکہ سونا چاندی تولہ اور گرام کے حساب سے خریدا اور بیچا جاتا ہے، اس لئے حضرات فقہاء نے سونے کی ۲۰ مثقال، ساڑھے سات تولہ اور چاندی کی ۲۰۰ درہم، ساڑھے باون تولہ مقدار کے برابر بیان کی ہے۔[9]

لہٰذا صرف سونا ہو تو ساڑھے سات تولہ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں اور صرف چاندی ہو تو ساڑھے باون تولہ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

استثمار یا تمویل زکوٰۃ کی ممکنہ صورتیں:

زکوٰۃ کی تعریف، شرائط اور حکمت کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اموال زکوٰۃ کی تمویل کی ممکنہ صورتیں اور ان صورتوں کا شریعت اسلامیہ کے رہنما اصولوں اور فقہاء کرام کی آراء کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔

چنانچہ اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کی ممکنہ صورتیں درج ذیل ہو سکتی ہیں:

۱۔ مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی ادائیگی کی بعد اس کو قبضہ دیا جائے اور اس وہ مستحق انفرادی طور پر یا بطور جماعت مل کر اس رقم سے سرمایہ کاری کریں۔

۲۔ زکوٰۃ کے مالک کی جانب سے اس مال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری ہو۔

۳۔ زکوٰۃ کو وصول کرنے والے غیر سرکاری ادارے اموال زکوٰۃ کو کاروباری سرگرمیوں میں استعمال کریں۔

۴۔ ریاست یا ریاست کی جانب سے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے مقرر کردہ ادارے مزکین سے زکوٰۃ وصول کر کے ان اموال زکوٰۃ کو کاروباری سرگرمیوں میں استعمال کریں۔

اسی طرح سرمایہ کاری کو بھی دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۃ

۱۔ محدود وقت کے لئے سرمایہ کاری (Short Term Investment)

۲۔طویل المیعاد سرمایہ کاری (Long Term Investment)

محدود مدت کی سرمایہ کاری کو عارضی سرمایہ کاری کا نام بھی دیا جاسکتا ہے یعنی وہ سرمایہ کاری جس کی مدت ایک سال سے کم ہو،اور جس کو تین مہینے سے لے کر ایک سال تک کی مدت میں نقود میں تبدیل کرنے کا معاہدہ ہو۔[10]

جب کہ بعض نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ جس سرمایہ کاری کی مدت دنوں، ہفتوں تک محدود ہو اس کو مختصر المیعاد سرمایہ کاری کہا جاتا ہے دوسری جانب طویل المدتی سرمایہ کاری وہ کہلاتی ہے جو سالوں پر محیط ہو۔[11]

اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری کی ممکنہ صورتوں کا شریعت اسلامیہ کے رہنما اصولوں اور فقہاء کرام کی آراء کی روشنی میں جائزہ۔

ا۔ فقراء و مساکین کا اموال زکوۃ پر قبضہ کے بعد اس کی سرمایہ کاری:

اس کی صورت یہ ہوگی کہ مستحقین زکوۃ کو زکوۃ کی ادائیگی کے بعد وہ ان اموال کو انفرادی یا اجتماعی طور پر کاروباری سرگرمیوں میں قصیر المیعاد یا طویل المیعاد بنیادوں پر صرف کریں۔

اس بارے میں فقہاء کی آراء واضح ہیں کہ جب مستحقین کی ملکیت میں اموال زکوۃ آجائیں تو اس صورت میں ان کے لئے ان اموال میں جائز تصرف کرنا اور ان اموال کی تمویل کی اجازت ہے۔ چاہے وہ محدود مدت کے لئے ہو یا وہ طویل المیعاد ہو۔ جیسا کہ تملیک کی شرط کے ضمن میں اس بات کی وضاحت ہوئی کہ مستحق کو مکمل قبضہ دینا ضروری ہے تب ہی زکوۃ کی ادائیگی کی تکمیل ہوگی۔اس لئے جب مستحق کو مالک بنادیا جائے گا تو اس کو اس بات کا اختیار ہوگا کہ وہ اس مال کو اپنی کسی ضرورت میں خرچ کرے یا اس کو کسی کاروبار میں لگائے یا کسی اور کے ساتھ سرمایہ کاری کرے۔ کیونکہ آیتِ مصارف میں ذکر کردہ ''لام'' تملیک کے لئے ہے اس لئے مالک بننے کے بعد وہ ان اموال میں بطور مالک کسی بھی طرح کا تصرف کر سکتا ہے۔[12] اسی طرح فقہاء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ قرض دار کو مالِ زکوۃ مل جانے کے بعد اگر وہ اس مال سے اپنے قرض کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو اس کو اس کا اختیار ہوگا کہ وہ مالِ زکوۃ پر قبضہ کرنے کے بعد اس سے کاروبار کرے تاکہ وہ اس مال کی سرمایہ کاری سے اتنا مال کما سکے کہ اپنا قرضہ لوٹادے۔[13]

۲۔مالکِ زکوۃ کی جانب سے مالِ زکوۃ کی سرمایہ کاری:

اس کی ممکنہ صورتیں یہ ہوسکتی ہیں کہ یا تو انفرادی طور پر زکوۃ کی رقم کو کاروباری سرگرمیوں میں نفع کی خاطر لگایا جائے۔ یا زکوۃ دینے والے افراد مل کر ایک جماعت بنالیں اور اپنی رقوم جمع کر کے اس کو اجتماعی طور پر کاروباری سرگرمیوں میں لگائیں تاکہ ایسے اموال زکوۃ کی بڑھوتری ممکن ہو سکے اور پھر اس سے غرباء اور مستحقین کی مدد کی جاسکے۔

اس سلسلے میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزرا کہ زکوۃ کی ادائیگی میں شرطِ تملیک یعنی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔ اب اگر تملیک کے بغیر زکوۃ کا مالک اس مال کی سرمایہ کاری کرے گا تو زکوۃ کی ادائیگی فوری طور پر نہیں ہوگی بلکہ زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی۔ زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر کا مسئلہ فقہاء کرام ہاں تفصیلی طور پر زیر بحث آیا ہے۔

علمائے احناف کی ایک روایت یہ ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی فی الفور واجب نہیں بلکہ اس کی ادائیگی میں تاخیر کی گنجائش ہے چنانچہ علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وافتراضها عمری ای علی التراخی وصححه الباقانی وغیره[14]

زکوۃ کی فرضیت عمری ہے یعنی زکوۃ کو فوری طور پر ادا کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ موخر کر کے بھی دی جاسکتی ہے۔اسی روایت کو باقلانی وغیرہ نے اختیار کیا اور اس کی تصحیح کی ہے۔

ائمہ اربعہ اور جمہور علماء احناف کی رائے اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی فی الفور ضروری ہے اور اس میں بلا عذر تاخیر کرنا جائز نہیں۔ اس کی تعبیر کے لئے واجب علی الفور کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔یعنی زکوۃ کی ادائیگی ان واجبات میں شامل ہے جن کی ادائیگی علی الفور واجب ہے نہ کہ علی التراخی۔

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ زکوۃ کی ادائیگی علی التراخی کا قول ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں

(وقیل فوری) ای واجب علی الفور(وعلیه الفتوی) کما فی شرح الوهبانیة(فیاثم بتاخیرها) بلا عذر (وترد شهادته) لان الامر بالصرف الی الفقیرمعه قرینةالفور وهي انه لدفع حاجته وهي معجلة فمتی لم تجب علی الفورلم یحصل المقصودمن الایجاب علی وجه التمام[15]

اور دیگر علماء کی رائے ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی علی الفور واجب ہے اور اسی پر فتوی ہے۔جیسا کہ شرح الوھبانیہ میں بھی آیا ہے۔اسی لئے زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر پر گنہگار ہو گا۔کیونکہ اس میں فقیر کو دینے کا حکم کیا گیا ہے جو فوری طور پر ادائیگی کا متقاضی ہے۔دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ فی الفور ادائیگی سے فقراء کی ضرورتیں پوری ہوں گی اس لئے اگر اس کے فی الفور وجوب کا قول نہیں کیا جائے گا تو مکمل طور پر اس کے واجب ہونے کا مقصد پورا نہیں ہو گا۔

علامہ خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ وجوب علی الفور کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

تجب الزكاة اي اداءها(علي الفور): لأن حاجة المستحقين اليها ناجزة (اذاتمكن) من الاداء كسائرالواجبات------ فأن اخراثم [16]

زکوۃ کی ادائیگی فوری طور پر کرنا واجب ہے کیونکہ مستحقین کی ضرورت فی الفور ہوتی ہے جس طرح دوسرے واجبات کی ادائیگی فی الفور ضروری ہے۔۔۔۔اگر زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر کر دی تو گنہگار ہو گا۔

علامہ ابن قدامہ اپنی شہرہ آفاق کتاب، المغنی میں زکوۃ کے وجوب علی الفور کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

تجب الزكاة على الفور، فلا يجوز تأخير إخراجها مع القدرة عليه والتمكن منه؛ لأن الأمر بالزكاة يقتضي الفور؛ ولذلك يستحق المؤخِّرُ للامتثال العقابَ، ولو أن رجلاً أمر مملوكه أن يسقيه فتأخر -------؛ ولأن الزكاة وجبت لحاجة الفقراء ونحوهم وهي ناجزة فيجب أن يكون الوجوب ناجزاً، [17]

زکوۃ کی ادائیگی فوری طور پر واجب ہے اس لئے اس میں تاخیر کرنا جائز نہیں خاص طور پر جبکہ ادائیگی پر قدرت بھی ہو کیونکہ زکوۃ میں امر کا

صیغہ استعمال ہوا ہے اسی وجہ سے تاخیر کرنے والا گنہگار ہوگا اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی اپنے غلام کو پانی پلانے کا حکم دے دے اور وہ اس میں تاخیر کرے۔۔۔۔اور زکوۃ کا وجوب فقراء کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہے اور وہ فی الفور ہیں تو ادائیگی بھی فی الفور ہونی چاہئے۔

ان تمام عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی فوری طور پر کرنا واجب ہے اور اس کی ادائیگی میں بلا عذر تاخیر کرنا موجب گناہ ہے۔اب اگر انفرادی طور یا کچھ افراد اپنے طور پر کوئی ادارہ بنالیں جن میں وہ اپنی زکوۃ کی سرمایہ کاری کریں اور بجائے فقیر کو ادا کرنے کے ان کی نیت یہ ہو کہ سرمایہ کاری کرنے سے مال میں بڑھوتری ہو اور زیادہ سے زیادہ مال فقراء کو ادا ہو جائے گا۔ تو اس سے شریعتِ اسلامیہ کا یہ مقصد فوت ہو جائے گا کہ فقراء کو جلد از جلد ادائیگی ہو اور ان کی فی االفور ضرورت پوری ہو جائے۔اسی لئے جمہور فقہاء زکوۃ کی فی الفور ادائیگی کے قائل ہیں اور اس میں تاخیر کو باعث گناہ سمجھتے ہیں۔

اگرچہ فقہاء کے ہاں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اعذار کی بناپر ادائیگی میں تاخیر ہوسکتی ہے۔

چنانچہ علامہ ابن قدامہ رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں:

فإن أخرها ليدفعها إلى من هو أحقُّ بها من ذوي القرابة، أو ذوي الحاجة الشديدة جاز إذا كان وقتاً يسيراً وإن كان كثيراً لم يجز، [18]

اگر زکوۃ کی ادائیگی میں اس وجہ سے تاخیر کردی کہ اس سے زیادہ مستحق کو دے دے یا کوئی رشتہ دار ہے جو اس وقت موجود نہیں ہے اور اس کے آنے تک زکوۃ کی ادائیگی موخر کردے یا مستحق کو زیادہ دینے کے لئے زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر کردی تو اس کی گنجائش ہے لیکن یہ تاخیر کم وقت کی ہونی چاہئے زیادہ نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہ جائز نہیں۔

یہی بات علامہ ابوالبرکات نے بھی فرمائی ہے:

يجب اخراجها على الفور مع القدرة الا لغرض صحيح كخشية رجوع الساعى عليه وتاخيرها لقوم لا يحضره مثلهم فى الحاجة وما اشبهه ذالک۔[19]

علامہ نووی رحمۃاللہ علیہ نے ان اعذار کی تفصیل یوں بیان کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

وقد أجاز جمهور الفقهاء القائلون بفورية إخراج الزكاة أن يؤخر المزكي زكاته لعذر الضرورة أو الحاجة المعتبرة---------------------جواز تأخير إخراج الزكاة إذا اضطر المزكي لذلك؛ كغيبته عن المال، أو غيبة ماله إذا خشي الضرر عليه؛ كأن يخشى أن يطالبه الساعي بإخراج الزكاة مرة أخرى إن أخرجها بنفسه .أو إذا وجدت مصلحة في التأخير؛ كأن يؤخرها ليدفعها لذي قرابة، أو جارٍ، أو إلى ذي صلاحٍ، أو ذي حاجة شديدة، واشترطوا لذلك أن يكون التأخير يسيرًا، وألا تشتد حاجة الحاضرين من المستحقين[20]

جمہور علماء جن کے ہاں زکوۃ کی ادائیگی فی الفور ضروری ہے وہ بھی زکوۃ دینے والے کی جانب سے عذر کی بنیاد پر یا ایسی حاجت کی بنیاد پر جس کو شریعت میں قابلِ غور سمجھا جائے،تاخیر کی اجازت دیتے ہیں، مثلاً جتنی زکوۃ کی ادائیگی ضروری ہے اتنے مال تک اس کی رسائی کسی عذر کی بنیاد

پر فی الحال نہ ہو۔ یا اگر وہ فی الفور زکوۃ ادا کرے تو اس کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو جیسے اگر خود فی الفور ادائیگی کرے گا تو حکومت کا عامل زکوۃ دوبارہ اس کو زکوۃ کے اخراج پر مجبور کرے گا۔ یا زکوۃ کی تاخیر میں کوئی اور مصلحت ہو جیسے کسی قریبی رشتہ دار کو دینے کے لئے اس کی ادائیگی میں تاخیر کرے یا کسی ایسے آدمی کے لئے تاخیر کرے جس کی ضرورت زیادہ شدید ہو۔ لیکن اس تاخیر کی گنجائش اس شرط کے ساتھ ہے کہ یہ تاخیر زیادہ نہ ہو۔ اور ایک شرط اور بھی ہے کہ اس تاخیر سے موجودہ مستحقین کی ضرورت شدید نہ ہوتی ہو۔

ان عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی علی الفور ہے ان کے ہاں بھی اس کی گنجائش ہے کہ اگر کوئی ضرورت شدیدہ ہو تو اس کی بنیاد پر اس کی ادائیگی میں تاخیر کی جاسکتی ہے لیکن اس تاخیر کو درج ذیل شروط سے مشروط کیا گیا ہے۔

۱۔ تاخیر کے لئے عذر واقعی کا ہونا ضروری ہے یعنی ایسا عذر جس کو شریعت اسلامیہ میں عذر سمجھا جاتا ہو۔

۲۔ تاخیر کم سے کم ہو۔

۳۔ اس تاخیر سے موجودہ مستحقین کو نقصان نہ پہنچ رہا ہو کہ ان کی ضرورت شدید بھی ہے لیکن پھر بھی زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر کی جارہی ہو تو اس کی گنجائش نہیں۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مزکی کی جانب سے زکوۃ کی سرمایہ کاری کی خاطر اس کی ادائیگی میں تاخیر سے زکوٰۃ علی الفور کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ اس طرح اس کی سرمایہ کاری سے موہوم منافع کی بنیاد پر موجودہ مستحقین کی ضرورتِ شدیدہ کو نظرانداز کرنا لازم آئے گا۔ جس کی فقہائے کرام کے ہاں گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔ اس طرح اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس سرمایہ کاری میں نفع کی بجائے نقصان ہو جائے تو اس صورت میں فقراء کو وہ حصہ بھی نہیں ملے گا جو ان کو ملنا چاہیے تھا۔ نیز اس صورت میں مزکی ایک حوالے سے متہم بھی ہوتا ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال کو اپنی ملکیت سے نہیں نکال رہا بلکہ اپنی ملکیت میں رکھ کر اس کی سرمایہ کاری کر رہا ہے۔ اگر خدانخواستہ مزکی فوت ہو جائے تو اس کے ورثاء کو اس مالِ زکوٰۃ کا علم بھی ہو گا یا نہیں اور اگر علم ہو بھی جائے تو کیا بلا وصیت وہ مزکی کے اوپر واجب الاداحق کی ادائیگی کریں گے یا نہیں؟ ان تمام صورتوں میں بظاہر نقصان فقراء اور مساکین کا ہی ہوتا ہے جو اس مال کے حقیقی حقدار تھے۔ اس لئے اس صورت میں زکوٰۃ کی محدود مدت اور طویل المیعاد دونوں قسم کی سرمایہ کاری کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔

تیسری صورت: زکوۃ کے اموال کی تمویل کو خیراتی ادارے لے کر اس کو کاروباری سرگرمیوں میں استعمال کریں۔

اب یہ دیکھنا ہو گا کہ یہ ادارے فقراء و مساکین کے وکیل کے طور پر زکوۃ قبول کرتے ہیں اور ان کا حکم عاملینِ صدقہ کا ہو گا یا یہ ادارے زکوۃ دینے والے افراد کے وکیل ہوتے ہیں۔ اگرچہ ایسے ادارے جن میں مستقل بنیادوں میں فقراء و مساکین زیرِ کفالت ہوتے ہیں ان کے حوالے سے عصرِ حاضر کے علماء کے درمیان یہ مسئلہ باعثِ اختلاف رہا ہے اور اکثر علمائے کرام کا رجحان اس جانب رہا ہے کہ ایسے اداروں کے منتظمین حضرات زکوۃ دینے والے نہیں بلکہ زیرِ کفالت فقراء اور مساکین کے وکیل کے طور پر اس زکوۃ کو قبض کرتے ہیں اس لئے زکوۃ دینے والے کی زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر کا نقصان تو نہیں آئے گا عمومی طور ہر ایسے ادارے زکوۃ لینے والے افراد کے وکیل کے طور پر ان اموال کو

لے کر مصارفِ زکوۃ میں تقسیم کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔[21]

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''اماطۃ التشکیک'' میں اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

(جب فقراء اور مساکین کی طرف سے ان اداروں کے منتظمین کو وکیل قرار دیا جائے تو اس صورت میں) اگر قبل از خرچ معطی چندہ کا انتقال ہو جائے تو اس کے وارثوں کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں رہی معطیان چندہ کو بھی یہ سہولت رہی کہ ان کی زکوۃ فوری طور پر ادا ہو گئی۔[22]

اور اس کی بنیاد یہ بنائی گئی ہے کہ فقراء و مساکین ان کو اپنا وکیل بناتے ہیں جس کے بعد یہ ان کے وکیل بن کر زکوٰۃ وصول کرنے کے مجاز ہوتے ہیں۔

فتاوی دار العلوم دیوبند میں بھی اسی طرح کے سوال کے جواب میں تحریر کیا گیا ہے:

''چندہ دیتے ہی چندہ دہندگان کی ملکیت سے چندہ خارج ہو جاتا ہے اور اس طلبہ کی ملکیت ہو جاتی ہے، مدارس بیت المال کی طرح ہیں اور مہتمم صاحب نگران کی طرح جس طرح بیت المال کے مستحقین معلوم و متعین نہیں ہوتے اس طرح طلبہ کا متعین و معلوم ہونا ضروری نہیں۔[23]

گویا کہ ایسے ادارے جو مستقل بنیادوں پر فقراء و مساکین کی کفالت کا ذمہ اٹھاتے ہیں اور ان کے وکیل کے طور پر زکوۃ وصول کرتے ہیں ان میں معطین حضرات کی زکوۃ کی ادائیگی کا حکم اسی وقت ہی لگ جاتا ہے جب ان اداروں کے منتظمین ان کو وصول کر لیتے ہیں۔

لیکن وہ خیراتی ادارے جن میں مستحقین مستقل بنیادوں پر زیر کفالت نہیں ہوتے ان میں عموماً یہ صورت حال نہیں ہوتی بلکہ وہ زکوٰۃ دینے والے کے وکیل کے طور پر زکوۃ وصول کرتے ہیں۔ اس صورت میں ان اداروں کو اگر زکوۃ کی سرمایہ کاری کی اجازت ہو گی تو زکوٰۃ علی الفور کی ادائیگی نہیں ہو گی بلکہ اس صورت میں زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر کا گناہ لازم آئے گا اور جس طرح اصیل کے لئے زکوۃ کی ادائیگی فی الفور لازم ہے اسی طرح اس کے وکیل کو بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرے۔[24]

اسی طرح کے ایک اور سوال کے جواب میں بھی فتاوی اللجنۃ الدائمہ میں اسی رائے کو ترجیح دی گئی ہے:

إذا كان المال المذكورفي السؤال من الزكاة:فالواجب صرفه في مصارفه الشرعية من حين يصل إلى الجمعية،وأما إن كان من غير الزكاة:فلا مانع من التجارة فيه لمصلحة الجمعية؛لمافي ذلك من زيادة النفع لأهداف الجمعية وللمساهمين فيها"[25]

کہ ان خیراتی اداروں کے لئے اموالِ زکوۃ کو سرمایہ کاری میں لگانا درست نہیں البتہ اگر اموال غیر زکوۃ میں سے ہوں تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کے اجتماعی امور کی حفاظت کے ساتھ ساتھ فقراء کے لئے زیادہ نفع کی امید ہے۔

اس لئے اس صورت میں ان اداروں کے لئے جو مستقل طور پر فقراء و مساکین کی کفالت نہ کرتے ہوں اور ان کے وکلاء کے طور پر زکوۃ کی وصولی نہیں کرتے تو ان کے لئے ان اموال کی سرمایہ کاری کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ فوری طور پر ان رقوم کو ان کے مصارف میں خرچ کرنا چاہئے تاکہ مزکین کی زکوۃ بروقت ادا ہو اور ان کا ذمہ فارغ ہونے کے ساتھ ساتھ مستحقین کی ضرورت بروقت پوری ہو جائے۔ لیکن اس صورت میں چونکہ ان اموال کو عمومی طور پر تحفظ کے لئے عصر حاضر میں ضرورت کی بنیاد پر بینکوں میں رکھوایا جاتا ہے تو اس صورت

میں ان کے لئے ایسے بینکوں کا انتخاب کرنا چاہئے جو نہ صرف مالی لحاظ سے مستحکم ہوں بلکہ شرعی اصولوں کی بنیاد پر کام کرتے ہوں۔

چوتھی صورت: ریاست یا ریاست کے مقرر کردہ ادارے زکوۃ کے اموال کو وصول کرکے اس کی شریعت کے اصولوں کے مطابق سرمایہ کاری کریں۔

اس صورت میں ریاست یا اس کے عمال زکوۃ وصول کرکے اس کو مستحقین تک پہنچاتے ہیں اور ریاست اور امام المسلمین کو فقراء اور مساکین کے نائب کے طور پر زکوۃ وصول کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے جیسے ہی مزکی اپنے زکوۃ کو امام، ریاست یا اس کے عامل کو ادا کرتا ہے تو اس کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے اور زکوۃ کی علی الفور ادائیگی ہو جاتی ہے اسی طرح بیت المال کے عمال بھی سلطان کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور سلطان کو ولائت عامہ حاصل ہے اس لئے وہ ان فقراء کا وکیل ہوتا ہے۔ [26]

اس لئے اس صورت میں زکوۃ کے جمع شدہ اموال سے سرمایہ کاری کرنے کی صورت میں مزکیین کی جانب سے زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر کا نقصان تو لازم نہیں آئے گا لیکن کیا بیت المال اور ریاست کے لئے ان جمع شدہ رقوم کی سرمایہ کاری کی گنجائش ہے؟

اس حوالے سے عصر حاضر کے بعض علماء کی رائے ہے کہ ان اموال کی سرمایہ کاری کی گنجائش ہے۔ علامہ مصطفی زرقاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان اموال کو امانت دار لوگوں کے ہاتھوں میں دیا جائے جو ان اموال کی صحیح طریقے سے سرمایہ کاری کریں اور اس سے یہ مال مزید بڑھ جائے تو اس میں فقراء و مساکین کا فائدہ ہے۔ اس لئے اس کی تمویل ہر طریقہ سے جائز ہے۔ چاہے مختصر مدت کے لئے ہو یا طویل مدت کے لئے۔[27] جبکہ ان میں سے بعض علماء نے اس کو خلاف القیاس استحسان کی بنیاد پر امام یا اس کے نائب کے لئے اس طرح کے اموال کی سرمایہ کاری کی گنجائش دینے کی سفارش کی ہے۔[28] ان کی رائے ان عمومی روایات اور احادیث کی بنیاد پر ہے جن میں عمومی طور پر تمویل کی ترغیب دی گئی ہے اسی طرح ان کا قیاس ان اموال پر ہے جو فقراء کو زکوۃ ملنے کے بعد سرمایہ کاری پر دلالت کرتے ہیں۔[29] اسی طرح وہ روایات بھی اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں جن سے اولیاء کو یتیموں کی سرمایہ کاری اور کاروباری سرگرمیوں میں لگانے کی ترغیب دی گئی ہے جیسے فرمایا گیا ہے: ابتغوا من اموال الیتامی کی لا تاکلھا الصدقۃ۔[30] اسی طرح وہ اپنی رائے کے حوالے سے استحسان کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگرچہ اس مسئلے میں اصالتاً عدم جواز ہے لیکن خلاف القیاس اور استحساناً فقراء اور مساکین کی بھلائی کے لئے اس کی گنجائش ہونی چاہئے[31] کہ ریاست ان اموال کو کاروباری سرگرمیوں میں فقراء کے نفع کے لئے بطور سرمایہ کاری استعمال کرے۔

جبکہ اکثر علماء کی رائے کے مطابق ریاست کے لئے اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری درست نہیں ہے ان کی رائے یہ ہے کہ زکوۃ کی تمویل اس کی فوری ادائیگی میں رکاوٹ ہے جو زکوۃ کا اصل مقصد ہے۔ اور امام اور اس کے نائب کے لئے یہ لازم ہے کہ جیسے ہی زکوۃ ان تک پہنچے تو بجائے اس کی سرمایہ کاری کرنے کے، فوری طور پر اس کی ادائیگی کا اہتمام کرے۔ نیز سرمایہ کاری کرنے سے زکوۃ کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے جو مستحقین زکوۃ کی فی الفور امداد اور ان کی ضروریات کا مداوا ہے۔[32] اسی طرح ان اموال کو کاروباری سرگرمیوں میں استعمال کرنے سے اس

میں خسارے کاامکان بھی ہے جس سے بجائے فقراء ومساکین کے تعاون کے ان کے اموال میں کمی کااندیشہ ہے۔[33] نیزان اموال کو مجوزین حضرات نے جن امور پر قیاس کیاہے ان میں یاتو اصل مالک ان اموال کی سرمایہ کاری کرتاہے یا عمومی روایات ہیں جن سے اس خاص مسئلے کے حوالے سے استدلال کرنادرست معلوم نہیں ہوتا۔

اس حوالے سے اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کی سفارش نمبر ۱۵۔۳۔۳زیادہ قابل غور ہے جو اس تمویل کی اجازت اس صورت میں دیتی ہے کہ جب فقراءاور مساکین کی فوری ضرورت نہ ہو تواس صورت میں ان اموال کی سرمایہ کاری کی گنجائش ہے۔[34] لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ کیاعصر حاضر میں اس بات کو یقینی بنایا گیاہے کہ فی الحال فقراءاور مساکین کی ضرورت پوری ہوگئی؟ ظاہر ہے کہ ایسا کہنادرست نہیں۔اس لئے اس قرارداد سے بہر حال کسی حد تک اس بات کی گنجائش تونکلتی ہے کہ جب ایسی صورت حال ہو کہ فقراء ومساکین کی ضروریات پوری ہوگئیں ہوں تواس صورت میں ان اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری کی گنجائش ہے لیکن موجودہ صورتحال میں اسلامک فقہ اکیڈمی کی اس قرارداد میں عدم گنجائش کاپہلوزیادہ قوی ہے۔[35]

خلاصہ وسفارشات:

اس تمام بحث کاخلاصہ درج ذیل نکات ہیں:

۱۔زکوۃ دینے والوں کااموال زکوۃ کو نفع کی خاطر کاروباری سرگرمیوں میں لگانے کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔

۲۔اسی طرح اموال زکوۃ کے مستحقین کو زکوۃ کی وصولی کے بعد میں اس میں تصرف کرنے کامکمل حق حاصل ہے چاہے وہ اس کی سرمایہ کاری طویل المدت بنیادوں پر کریں یا قصیر المدت سرمایہ کاری اختیار کریں۔

۳۔اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری ان خیراتی اداروں کی جانب سے درست نہیں جو حکومت اور ریاست کے نائب کے طور پر کام نہیں کرتے بلکہ اپنے ادارے کی جانب سے اموال زکوۃ وصول کرتے ہیں اور ان میں مستقل طور پر ایسے مستحقین زیر کفالت نہ ہوں جن کے وکیل کے طور پر یہ ادارے یاان کے عمال زکوۃ جمع کریں۔

۴۔ریاست یاایسے ریاستی ادارے جو فقہی اصطلاح امام اور نائب عن الامام بن کر زکوۃ جمع کرتے ہیں ان کے لئے ان اموال کی سرمایہ کاری صرف اس صورت میں بطور گنجائش اسلامک فقہ اکیڈمی نے ذکر کی ہے کہ جب موجودہ فقراء کی ضروریات پوری ہوچکی ہوں۔

۵۔اسی طرح اگر حکومت کانظام ایساہو کہ اس میں زکوۃ کی ادائیگی کے نظام میں مرحلہ وار تقسیم کاطریقہ کاراختیار کیاجاتاہو تواس صورت میں سب سے پہلے حکومت ان اموال کی جلد از جلد تقسیم کو یقینی بنائے تاکہ فقراء ومساکین کو ان حق جلد از جلد پہنچے اور وہ ان اموال سے اپنی ضروریات پوری کرسکیں تاہم اس وقت تک ان باقی اموال کی سرمایہ کاری جو حکومت کے اکاونٹ میں پڑی رہتی ہیں مختصر مدت کے لئے ان اسلامی مالیاتی اداروں میں سرمایہ کاری کرنے کی گنجائش معلوم ہے جو شریعت اسلامی کے اصولوں کے تحت کام کرتی ہیں اور ان پر علماء کااعتماد ہو۔اس صورت میں ان اموال کی سرمایہ کاری میں خسارے سے بچنے کے لئے ایسے اداروں کاانتخاب کیاجاناچاہئے جو مستحکم ریٹنگ کی حامل

ہوں اور شرعی لحاظ سے بھی ان پر اعتماد کیا جاتا ہو۔تاکہ خسارے سے بچنے کی حتی الوسع کوشش ہو۔

٦۔ صرف ان اموال کی سرمایہ کاری محدود مدت کے لئے بطور حفاظت ہو جو انتظامی لحاظ سے فقراء میں تقسیم نہ ہو سکیں اور جیسے ہی ممکن ہو اس کی تقسیم کی جائے تاکہ تقسیمِ زکوۃ میں تاخیر سے بچا جائے۔اس کے لئے ایسے امانت دار لوگوں کی خدمات حاصل کی جائیں جو انتظامی امور میں بھی مہارت رکھتے ہوں تاکہ زکوۃ کی ادائیگی میں انتظامی تاخیر بھی نہ ہو اور باقی ماندہ اموال کی جب جب ضرورت پڑے ان کو فقراء تک پہنچائیں۔اور شرعی ماہرین سے بھی وقتاً فوقتاً رہنمائی لیتے رہیں۔

حواشی وحوالہ جات

1: کتاب التعریفات: علی بن محمد بن علی الزین الشریف الجرجانی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۹۸۳ء، ص ۱۱۴

2: التعریفات الفقہیہ: محمد عمیم الإحسان المجددی البرکتی، دار الکتب العلمیہ، طبع اول، ۲۰۰۳ء ص ۱۰۸

3: مختصر القدوری فی الفقہ الحنفی: أحمد بن محمد بن أبوالحسین القدوری، دار الکتب العلمیہ، طبع اول، ۱۹۹۷ء، ص ۵۱

4: التوبہ: ۱۰۳

5: احکامِ اسلام عقل کی نظر میں، مولانا اشرف علی تھانویؒ، القادر پرنٹنگ پریس، کراچی، نومبر ۲۰۰۹، جلد اول، ص ۹۸،۹۷

6: صحیح البخاری: محمد بن إسماعیل أبوعبداللہ البخاری، دار طوق النجاۃ، طبع اول، ۱۴۲۲ھ بَابٌ: مَا أُدِّيَ زَكَاتُهُ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ، حدیث نمبر ۱۴۰۵

7: الآثار: أبویوسف یعقوب بن إبراھیم، دار الکتب العلمیہ بیروت، حدیث نمبر ۴۳۱

8: المستدرک علی الصحیحین: أبوعبداللہ الحاکم محمد بن عبداللہ النیسابوری المعروف بابن البیع، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع اول، ۱۹۹۰ء، ج ۱، ص ۵۵۶

9: اوزانِ شرعیہ: مفتی محمد شفیعؒ، ادارۃ المعارف کراچی ۱۴، طبع سوم، ۱۳۸۲ھ ص ۸،۳۲

10: https://www.myaccountingcourse.com/accounting-dictionary/short-term-investments

11: Investments: Resources for Reaching the Amrican Dreams,p.15 published by The ASPIRA Association

12: کشاف القناع، منصور بن ہونس البھوتیؒ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج ۲، ص ۲۸۲

13: المجموع، یحی ابن شرف النووی، دار الفکر، بیروت، ج ٦، ص ۱۵٦

14: الدر المختار، علاءالدین الحصکفی، طبع دوم، 1992ء دار الفکر بیروت، ج ۲، ص ۲۱۴)

15: ایضا، ج ۱، ص ۱۳۰

16: مغنی المحتاج، محمد بن احمد الشربینی، دار الفکر بیروت، ج ۵، ص ۱۲۹

17: المغنی: محمد بن قدامہ، طبع ندارد، سن 1938ء، مکتبۃ القاہرہ، مصر، ج ۴، ص ۱۴۷

18: ایضا، ج ۴، ص ۱۴۷

19: المحرر فی الفقہ علی مذھب الامام احمد ابن حنبل، مجد الدین ابولبرکات، مکتبہ المعارف ریاض، طبع دوم، ۱۹۸۴، ج ۱، ص ۳۱٦

20: روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین: : أبوزکریا محي الدین یحیی بن شرف النووی، المکتب الإسلامی، بیروت، دمشق-عمان، طبع دوم، ۱۹۹۱ء، ج ۲، ص ۲۲۵

[21]: تذکرۃ الرشید، مفتی رشید احمد گنگوہی، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۹۸ء، طبع سوم، حصہ اول ص ۶۵

[22]: جواہر الفقہ، مفتی رفیع عثمانی، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۸ء، طبع پنجم، ج ۳، ص ۳۲۱

[23]: فتاوی دار لعلوم دیوبند، دار العلم، لاہور، ۱۹۹۷ء، طبع دوم، ج ۱۴، ص ۱۲۵

[24]: فتاوی اللجنۃ الدائمہ،: أحمد بن عبد الرزاق الدویش، رئاسہ إدارۃ البحوث العلمیہ والإفتاء-الإدارۃ العامہ للطبع—الریاض، ج ۹، ص ۴۵۴

[25]: ایضاج ۹ ص ۴۰۳

[26]: جواہر الفقہ، ص ۳۱۷

[27]: مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی، العدد الثالث، ج ۱، ص ۴۴

[28]: ایضا، ج ۱، ص ۳۵۴

[29]: حوالہ بالا ج ۱، ص ۳۵۴

[30]: السنن الکبری، أحمد بن الحسین بن علي بن موسی الخراساني، أبو بکر البیهقي، طبع سوم، 2003ء دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان ج ۴، ص ۱۰۷

[31]: مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی، ج ۱، ص ۳۵۴

[32]: ایضا

[33]: ایضاج ۱، ص ۳۸۸

[34]: Resolutions and Recomendatuons of Islamic Fiqh Academy Resoluction # 15(3-3)

[35]: https://islamqa.info/ar/answers/111774/

References

Kitab al-Tafsirat: 'Ali b. Muhammad b. 'Ali al-Zayn al-Sharif al-Jarjani, Dar al-Katab al-Ilmiyyah Beirut, Lebanon, Vol. 1, p. 114

Muhammad Umayyim al-Ihsan al-Mujadd y al-Barkati, Dar-ul-Katab al-Ilmiyyah, Vol. 1, p.108

Brief Al-Qaduri fi al-Fiqhal-Hanfiyyah: Ahmad bin Muhammad bin Abu al-Husayn al-Qaduri, Dar-ul-Aqtabal-Ilmiyyah, Vol. 1, p. 51

Al-Tawbah: 103

Maulana Ashraf Ali Thanvi, Al-Qadir Printing Press, Karachi, November 2009, Vol. 1, pp. 97-98

Saheeh al-Bukhaari: Muhammad b. Isma'il Abu 'Abd Allah al-Bukhaari, Dar-e-Tuq al-Naja'ah, Vol. 1, 1422 A.H.

Abu Yusuf Ya'qub ibn Ibrahim, Dar-ul-Katab al-Ilmiyyah, Hadith No. 431

Abu 'Abd Allah al-Hakam Muhammad b. 'Abd Allah al-Nisaburi, also known as Babin al-Ba'i, Dar al-Katab al-'Ilmya Beirut, Vol. 1, p. 556

Uzan Shari'ah: Mufti Muhammad Shafi, Adarat-ul-Ma'arif Karachi 14, Vol. III, 1382 AH, p. 8, 32

https://www.myaccountingcourse.com/accounting-dictionary/short-term-investments

Investments: Resources for Reaching the Amrican Dreams,p.15 published by The ASPIRA Association

Kashaf al-Qana'ah , Mansur b. Hunsal-Labhuti, Dar al-Katab al-Ilmiyyah, Beirut, vol. 2, p. 282

Al-Majmoo, Yahya ibn Sharaf al-Linawi, Dar al-Fikr, Beirut, vol. 6, p.156.

Al-Durr al-Mukhtar, Ala'ud-Din al-Haskafi, Vol. II, 1992, Dar-ul-Fikr Beirut , vol. 2, p. 214.

Ibid., vol. 1, p. 130

Mughni al-Makhz, Muhammad bin Ahmad al-Sharbini, Dar-ul-Fikr-birut, vol. 5, p. 129

Al-Mughni: Muhammad bin Qudaamah, Nadrad, 1938, Maktabat al-Qahra, Egypt, vol. 4, p. 147.

Iddah , vol. 4, p. 147
Al-Muhrar fi al-Fiqh 'Ali Madhhab al-Imam Ahmad Ibn Hanbal, Mujad-ud-Din Abul Barakat, Maktaba Al-Ma'riyyah, Vol. 2, vol. 1, p. 316
Abu Zakariya Muhi al-Din Yahya ibn Sharaf al-Nuwayi, al-Maktab al-Islami, Beirut, Damascus- Amman, Vol. II, vol. 2, p. 225.
Tazkirat-ur-Rashid, Mufti Rashid Ahmad Gangohi, Dar-ul-Pasat, Karachi, 1998, Vol. III, Vol. I, p. 65
Jawahir-ul-Fiqh, Mufti Rafi Usmani, Dar-ul-Pasat, Karachi, 2008, Vol. 3, p. 321
Fataawa Darul Uloom Deoband, Dar-ul-Ilm, Lahore, 1997, Vol. 14, p. 125
Fataawa al-Lajnah al-Da'imah, Ahmad b. 'Abd al-Razzaq al-Dawish, Rayasa Idrat al-Bahooth al-Ilmiyyah wa'l-Iftaa' - Al-Idara al-'Aama al-Taba'ah al-Riyadh, vol. 9, p. 454
Ibid. vol. 9 p. 403
Jawahir al-Fiqh, p. 317
Majla Majma al-Fiqh al-Islami, al-'Adid al-Thalth, vol. 1, p. 44
Iddah, vol. 1, p. 354
Reference Balaj 1, p. 354
Al-Sunan al-Kubra, Ahmad bin Al-Husayn bin Ali bin Musa al-Khurasani, Abu Bakr al-Bayhaqi, Vol. III, 2003, Dar al-Katab al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, vol. 4, p. 107.
Majla Majma al-Fiqh al-Islami, vol. 1, p. 354
edict
Ibid. Vol. 1, p. 388
Resolutions and Recommendations of Islamic Fiqh Academy Resolution # 15(3-3)
https://islamqa.info/ar/answers/111774/